دینِ حق اور علمائے ربانی
شرک و بدعت کے خلاف کیوں؟

از:

مولانا ابوالحسن علی ندوی

ناشر:

مکتبہ عثمانیہ مسجد دائرہ رائے بریلی یوپی

کتابت : ـــــــــــــــ محمد الیاس، لکھنؤ
طباعت : ـــــــــــــــ کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ
صفحات : ـــــــــــــــ چونسٹھ (۶۴)
قیمت : ـــــــــــــــ صرف ۱۰ روپے
باہتمام : ـــــــــــــــ ☆ ندوی برادران
ناشر : ـــــــــــــــ مکتبہ عثمانیہ، مسجد دائرہ رائے بریلی

مارچ ۱۹۹۹ء

فہرست مضامین

☆عنوانات	☆صفحہ
مقدمہ	۵
پیش لفظ	۱۱
شرک	۱۳
کفر	۱۶
بدعت	۲۷
غفلت	۴۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ——— اما بعد!

یہ حقیقت دین کی عمومی واجمالی واقفیت رکھنے والوں کو معلوم ہے کہ دین حق کا امتیاز اور اس کے حامیوں اور داعیوں کے لئے جو حقیقت بنیادی اور سب سے زیادہ واضح اور روشن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "الا للہ الدین الخالص" اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور ان کے نائبین اور ترجمانوں کا سب سے بڑا زور توحید خالص کی دعوت پر رہا ہے پھر دین خالص کی سب سے بڑی اور سب سے واضح اور طاقتور دعوت اللہ کے آخری اور سب سے بڑے پیغمبر کی رسالت و دعوت اور سب سے واضح طاقتور اور دائمی و عالمی دعوت اور تبلیغ کا سب سے بڑا موضوع اور ہدف توحید خالص کی دعوت تھی اور اس میں سب سے بڑھ کر طاقت، وضاحت عمومیت و عالمیت اور بقائے دوام ہے

اس بنا پر ہر زمانہ میں اس کی ضرورت رہی ہے کہ عقیدۂ توحید کو سب سے زیادہ وضاحت اور طاقت اور عمومیت کے ساتھ پیش کیا جائے، علمائے ربانی اور داعیان حقانی نے ہر زمانہ میں تحریراً وتقریراً، دعوۃً وخطابۃً اس فرض کو انجام دیا، برصغیر ہند میں جہاں شرک و وثنیت اور اپنے جامع مفہوم میں "جاہلیت" ہزاروں برس سے چلی آرہی ہے اسکی اور ممالک کے مقابلہ میں کچھ زیادہ ہی ضرورت تھی یہاں علمائے ربانیین نے اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے مقام پر یہ فرض طاقت اور خوبی کے ساتھ انجام دیا ضرورت تھی کہ ہر وقت اس کا جائزہ لیا جاتا رہے اور یہ فرض انجام دیا جاتا رہے پیش نظر رسالہ (دین حق و علمائے ربانی) اس سلسلہ کی کوشش اور دعوت ہے، خدا کرے اسکو غور اور توجہ سے پڑھا جائے اور اس سے نفع اٹھایا جائے۔

ابوالحسن علی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۲۴ فروری سنہ ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ

☆ مولانا محمد رابع حسنی ندوی

حضرت آدمؑ سے حضور محمدؐ تک تمام انبیاء جو سب سے بنیادی اور مرکزی دعوت لے کر آئے، وہ توحید کی دعوت تھی، ان کی دیگر تمام دعوتیں اس سے متعلق اور اس کے بعد تھیں، قرآن مجید میں جہاں جہاں انبیاء کا تذکرہ آیا ہے اور ان کی کارگزاری کا ذکر کیا گیا ہے وہاں پہلا جملہ اعبدو اللہ کا ملتا ہے اور بکثرت اس بات پر زور دینے کا تذکرہ ملتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی لائق عبادت لائق استعانت نہیں، سورہ فاتحہ میں جو روزانہ کی پانچوں نمازوں کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے یہ جملہ کہنا ضروری ہے کہ "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں، اور تجھ ہی سے ہم مدد مانگتے ہیں" اس میں اِیَّاکَ کا استعمال اس پہلو پر

زور دینے کے لئے ہے کہ صرف خدا کی عبادت اور صرف خدا سے مدد طلبی کرتے ہیں۔

یہ بات بار بار کیوں کہلوائی جاتی ہے اور نماز میں کہلوائی جاتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرتے وقت تک برابر زبان پر یہ بات جاری رہے کہ "ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں"۔ اور "ہم صرف تجھ سے مدد چاہتے ہیں" یہ وہ بات ہے جس سے اِسلام میں توحید کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ صرف ایک بار کلمۂ شہادت ادا کر کے مسلمان ہو جانے کو کافی نہیں سمجھا گیا بلکہ برابر صبح، دوپہر، شام اور رات میں ایسے جملے کہلوائے جاتے رہتے ہیں جن سے توحید کا اِستحضار بھی ہوتا ہے اور توحید کا اقرار بھی بار بار کیا جاتا رہتا ہے۔

اس کے بعد کیسے یہ گنجائش باقی رہتی ہے کہ ایک مسلمان دن بھر میں دسیوں بار، سب سے زیادہ ذمّہ دارانہ موقع پر جبکہ وہ اپنے رب کے حضور کھڑا ہوتا ہے یہ کہتا ہے کہ صرف تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں نماز سے نکل کر کسی دوسرے کی عبادت کرنے لگے اور دوسرے سے مدد چاہنے لگے، یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں، اور ایسا

کرنے پر، ہمارا پروردگار، اس کو دھوکہ بازی اور چالبازی نہ سمجھے گا، کہ کہا کچھ اور کیا کچھ، یہ بڑی خطرناک اور ڈرنے کی بات ہے، مسلمان کی سب سے بڑی عبادت نماز ہے، جس میں قیام، رکوع اور سجود ہوتا ہے، اسی سے نماز بنتی ہے، کسی غیر اللہ کے ساتھ اگر اس خلوص اور ادب کے ساتھ جھکا یا قیام کیا جو خلوص و ادب نماز کا حق ہے اور جس کا اقرار ہم نے الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ میں کیا ہے ــــ یا غیر اللہ سے اسی خلوص کے ساتھ مدد چاہی جو نماز میں ہوتا ہے تو کیا اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کہنے سے ٹکراتا نہیں ہے اور کیا اپنے پروردگار کے ساتھ دھوکہ کرنے کے مترادف نہیں ہے۔

غیر اللہ کا احترام اور اس سے مدد چاہنا اگر اس طرح ہو جس طرح ایک انسان کا احترام ہوتا ہے یا اس سے مدد چاہی جاتی ہے تو یہ غیر اللہ کی عبادت یا اس سے مدد چاہنا نہیں ہے اور نہ اس کو منع کیا گیا ہے، ہم اپنے باپ کا احترام کرتے ہیں، استاد کا کرتے ہیں، اپنے محسن کا کرتے ہیں، ان کی شفقتوں، محبّتوں اور ہمدردیوں کے شکر گزار ہوتے ہیں اور یہ ہماری جس طرح کی مدد کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں اس طرح کی مدد بھی ہم ان سے طلب کرتے

ہیں، یہ سب عیب نہیں ہے لیکن اگر ہم کسی انسان کا احترام ویسا یا اس طریقہ سے کرنے لگیں جو خدا کے ساتھ کیا جاتا ہے اور انسان کی سطح سے بلند ہے تو وہ احترام احترام نہیں، عبادت ہو جائے گا۔

توحید کیا ہے، شرک کیا ہے، اور شرک کے چھوٹے بڑے کیا کیا انداز و طریقے ہیں، یہ سب ہم کو اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے۔ تاکہ ہم شرک کے خطرہ میں نہ پڑ جائیں، اور پھر ہمارا سب کیا کرایا غارت ہو جائے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر غلطی کو معاف کر دیتا ہے، لیکن شرک کو معاف نہیں کرتا، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ: إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَالِكَ ط (نساء ع ۱۸) "خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور گناہ) جس کو چاہے گا بخش دے گا۔"

یہ خطرناک غلطی، تباہ کن کوتاہی، سب کیا کرایا بگاڑ دینے والا گناہ، ایک مسلمان کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے، جیسے کسی ملک میں ایسی غلطی کہ اس کی سزا پھانسی ہو، شرک کی غلطی حقیقت میں اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ پھانسی کی سزا لانے والی غلطی صرف چند سالہ زندگی ہی کو ختم کرے گی لیکن ہمیشہ ہمیش کی

زندگی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی لیکن شرک سے ملنے والی سزا ہمیشہ ہمیش کی زندگی کو جہنم بنا دینے والی سزا ہے۔

زیرِ نظر رسالہ حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے جو ایک بڑے بزرگ بھی ہیں اور بزرگوں کا احترام اور اولیائے کرام کا مقام بھی جانتے ہیں اور علم دین کے حقائق و اسرار کے عالم ہیں قرآن و حدیث کی روشنی میں توحید و شرک کی حقیقتوں کو واضح کرنے کے لئے تحریر فرمایا ہے، اور اس میں اس طرح تشریح فرمائی ہے کہ دونوں کے مختلف اور ضروری پہلو سب آگئے ہیں، اور ایک مخلص مسلمان کو توحید و شرک کی حقیقتوں کو جاننے کی جو ضرورت ہے اس سے وہ اچھی طرح پوری ہو جاتی ہے۔

حضرت مولانا مدظلہٗ العالی، ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھوں نے ایسے اہم اور ضروری موضوع کو کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کی روشنی میں بڑے اچھے اور سہل انداز میں واضح فرمایا ہے، اور اس کے پڑھنے والوں کے لئے دین خالص (اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ) ترجمہ: "سن لو اللہ ہی کے لئے ہے صاف اور خالص دین" کی حقیقت سلیس اور مُدلّل انداز میں بیان فرمایا ہے، امید ہے کہ یہ رسالہ بہت نافع ہوگا۔

ادارہ مکتبہ عثمانیہ بھی شکریہ کا مستحق ہے کہ اس نے دیدہ زیب کتابت و طباعت میں اس رسالہ کو مسلمانوں تک پہنچانے کا ذریعہ مہیا کیا،

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینِ خالص کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خاکسار



دائرہ شاہ علم اللہ
رائے بریلی

۲۵-۴-۱۴۰۳ھ

پیش لفظ

☆ از مؤلف

اَلْحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ علیٰ سید المرسلین
وخاتم النبیین وعلیٰ اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین ومن تبعھم
باحسان ودعا بدعوتھم اِلیٰ یوم الدّین ط

عرصہ ہُوا راقم نے اپنے جوار کے بعض علمائے ربّانییّن (جن میں حضرت مولانا سیّد خواجہ احمد صاحب نصیر آبادیؒ سب سے نمایاں ہیں) کی اصلاحی و تجدیدی کوششوں کی رُوداد و سرگذشت لکھنے کا ارادہ اور ان کا مختصر تذکرہ مرتّب کرنے کا عزم[1] کیا، اسی وقت اس کا احساس ہوا کہ پہلے ایک مفصّل تمہیدی مضمون کی ضرورت ہے جس میں سنّت کی اہمیت اس کے اسرار و مقاصد اور بدعت کے مفاسد و مضرّتوں پر روشنی ڈالی جائے اور بتایا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت سے

---

[1] یہ تذکرہ حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے نامور خلفاء اور جماعت کے ممتاز افراد اور حضرت مولانا سیّد خواجہ احمد کے مفصّل تذکرہ کے ساتھ "کاروانِ ایمان و عزیمت" کے نام سے مرتب ہوا، جس کو لاہور کی سید احمد شہید اکاڈمی نے بڑے آب و تاب کے ساتھ پاکستان سے شائع کیا۔

اِس شدومد سے اپنی امّت کو کیوں روکا، اس کی مذمّت و تردید کیوں فرمائی؟ پھر آپ کے نائبینِ برحق، علمائے ربّانی، مصلحین و مجددین امّت نے اپنے اپنے زمانہ میں اس کے خلاف کیوں عَلم جہاد بلند کیا اور بہت سے وقتی، سیاسی، اجتماعی اور بعض اوقات دعوتی و تبلیغی مصالح کے باوجود، ایک منٹ کے لئے اس کے روادار نہیں ہوئے۔ اور اس کے بارے میں انھوں نے ادنیٰ درجہ کی مداہنت اور تسامح نہیں برتا، راقم نے اس موقعہ پر قرآن و حدیث کے مطالعہ نیز امّت کے مختلف دوروں کے تجربات اور زندگی کے حقائق کی روشنی میں سنّت و بدعت کا فرق واضح کرنے اور بدعت کے مفاسد اور مضرّتوں کو بیان کرنے کی کوشش کی، یہ تمہیدی مضمون "علمائے ربّانی ان کا منصب اور ان کے کام کی نوعیت" جون، جولائی ۱۹۴۲ء میں الفرقان و الندوہ میں شائع ہوا، اس کے بعد میں اور تصنیفی کاموں میں مشغول ہو گیا، اور اس مضمون سے ذہول ہو گیا، بعض عزیزوں نے متوجّہ کیا کہ یہ مضمون بہت اہم ہے اس میں بعض اصولی باتیں اور نکتے آ گئے ہیں جو عام کتابوں میں نہیں ملتے، میں نے اس مضمون کو نکال کر دوبارہ پڑھا، مجھے بھی اس کی اہمیت و افادیت کا احساس ہوا، میرا خیال تھا کہ اس کو علٰحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا جائے تاکہ اس سے عام فائدہ ہو، اس موقعہ پر عزیزان مولوی امتیاز احمد ندوی و مولوی افتخار احمد ندوی نے خواہش ظاہر کی کہ اس کو اپنے جدید قائم شدہ "مکتبہ عثمانیہ" کی طرف سے

شائع کریں، میں نے ان کو بخوشی اجازت دی، اللہ سے
دعا ہے کہ اس کو مسلمان بھائیوں اور مختلف طبقوں کے لئے چشم کشا
اور بصیرت افروز اور مفید و نافع بنائے
واللہ الموفق والمعین

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ
رائے بریلی
۱۹/۴/۱۴۰۳ھ
۳/۲/۱۹۸۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمائے حق، حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے وارث و جانشین ہیں، "العلماء ورثۃ الانبیاء" (صحیح بخاری) ان کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی، جب انکی زندگی کا مقصد، اور اُن کی کوششوں کا مرکز وہی ہوگا جو انبیاء کرام کا تھا، وہ مقصدِ زندگی، اور وہ مرکزِ سعی و عمل کیا ہے؟ دو لفظوں میں "**دینِ خالص**" یا ایک لفظ میں "**توحید**" یعنی اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت، اور کامل اطاعت، جو تنہا اُسی کا حق ہے، اُس کو اپنی ذات سے عمل میں لانا، اور دوسروں میں اُس کے لئے جدوجہد کرنا، "اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ" "وَیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ"

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ — اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا

مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء رکوع ۲)

مگر اُس کو یہی حکم بھیجا، کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں پس میری ہی بندگی کرو؛

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ (صف رکوع ۱)

وہ ہے جس نے اپنا رسولؐ، رہنمائی اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسکو سب دینوں (تمام قسم کے نظامِ اطاعت) پر غالب کرے، اگرچہ شرک کرنیوالوں کو یہ ناگوار ہو۔

اس دین خالص کے لئے ہر زمانہ میں چند موانع اور مزاحم ہوتے ہیں، جن میں سے اکثر ان چار اقسام میں داخل ہیں:

شرک یعنی غیر اللہ کو الٰہ بنا لینا، اللہ کے سوا کسی ہستی کو مافوق الطبیعی طور پر ضار اور نافع مان لینا، اس کو کائنات میں متصرّف اور مؤثر تسلیم کر لینا۔

احتیاج والتجا (پناہ جوئی) اور خوف و رجا اس عقیدے کے بالکل قدرتی اور طبعی نتائج و لوازم ہیں، اور دعا و استعانت اور خضوع (جو عبادت کی حقیقت ہے) اس کے لازمی مظاہر ہیں۔

شرک ، ایک مستقل دین اور ایک مکمل حکومت ہے، اس کا اور دین اللہ کا کسی ایک جسم یا دل و دماغ یا خطۂ زمین پر ایک ساتھ قائم ہونا ناممکن ہے، یہ غیر الٰہی دین جسم و نفس، اور جسم و نفس سے خارج اتنی ہی جگہ گھیرتا ہے جتنی دین اللہ کو کم سے کم درکار ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (البقرہ رکوع ٢٠)

بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے برابر اور دوں کو بناتے ہیں، ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی۔

تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (شعراء ع ٥)

(مشرکین نے کہا) خدا کی قسم ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جو تم کو (معبودوں کو) سارے جہانوں کے پروردگار کے برابر کرتے تھے

اس لئے جب تک زمین سے شرک کی تمام جڑیں اور اس کی باریک سے باریک رگیں بھی اکھاڑ نہ دی جائیں، اس وقت تک دین اللہ کا پودا اگ نہیں سکتا، اس لئے کہ یہ پودا کسی ایسی زمین میں جڑ نہیں پکڑتا جس کی مٹی میں کسی اور درخت کی کوئی جڑ ہو، یا کوئی اور تخم ہو، اس کی شاخیں اسی وقت آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور یہ درخت اسی وقت پھلتا پھولتا ہے جب اس کی جڑ گہری اور مضبوط ہو۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراہیم ع ۴)

تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی ایک مثال بیان کی پاکیزہ بات (کلمۂ طیبہ وغیرہ) ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں، اپنا پھل لاتا ہے ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔

یہ درخت کسی دوسرے درخت کے سایہ میں بڑھ نہیں سکتا، یہ جہاں رہے گا، تنہا رہے گا، اس کے طبعی نشو و نما کے لئے لامتناہی فضا چاہیئے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر ع ۱)

یاد رکھو اللہ ہی کی تنہا تابعداری ہے۔

پس جو لوگ دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں، وہ اس کو کسی جگہ پر قائم کرنے کے لئے زمین کو پورے طور پر صاف اور ہموار کرتے ہیں، وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں چُن چُن کر نکالتے ہیں اور اُن کا ایک ایک بیج بُن بُن کر پھینکتے ہیں اور مٹی کو بالکل الٹ پلٹ دیتے ہیں، چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے، اور کیسی ہی زحمت اٹھانی پڑے

اور چاہے ان کی دن رات کی اس کوشش اور عمر بھر کی اس جدوجہد کا حاصل حضرت نوحؑ کی طرح چند نفوس سے زیادہ نہ ہو، اور چاہے بعض پیغمبروں کی طرح ان کی ساری زندگی کا سرمایہ صرف ایک شخص ہو، لیکن وہ اس نتیجہ پر قانع اور اس کامیابی پر مسرور ہوتے ہیں، اور نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لیتے۔

کفر یعنی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا انکار، یہ انکار اس کی حکومت سے بغاوت، اور اس کے احکام سے سرتابی، خواہ کسی طریقہ اور علامت سے ظاہر ہو۔

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں، جو اللہ اور رسول کے احکام میں سے کسی حکم کو بھی یہ جان لینے کے بعد کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے، نہیں مانتے، یا زبان سے تو انکار نہیں کرتے، مگر جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ایسے لوگ خواہ دوسرے احکام کے پابند ہوں، اس دائرہ سے خارج نہیں، اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کرکے کہتا ہے:

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ — کیا کتاب الٰہی کے ایک حصّہ کو مانتے ہو
وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ — دوسرے حصّہ کو نہیں مانتے، تو اس کی کیا سزا ہے

مَنْ يَّفْعَلُ ذَالِكَ مِنْكُمْ اِلَّا	جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے، سوائے
خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ	دنیا کی زندگی میں رسوائی کے، اور قیامت
يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى	کے دن وہ پہنچائے جائیں سخت سے
اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ	سخت عذاب میں، اور اللہ تمہارے
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرہ ع ۱۰)	کاموں سے بے خبر نہیں۔

صرف اللہ کی خداوندی اور حاکمیت کے اقرار سے طبعی طور پر خداوندی اور حاکمیت کے تمام دعویداروں کی خداوندی اور حاکمیت کا انکار ہو جاتا ہے، لیکن جو اشخاص خداوندانِ باطل کی خداوندی اور حاکمیت کا صاف صاف انکار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، یا دوسرے الفاظ میں انھوں نے اس قبلہ کی طرف منھ تو کر لیا ہے لیکن دوسرے قبلوں کی طرف ان سے پیٹھ بھی نہیں کی جاتی، دینِ الٰہی کے مقابلہ میں دنیا میں جو نظامِ حاکمیت قائم، اور شریعتِ الٰہی کے مقابلہ میں جو قوانین نافذ ہیں، ان سے منحرف نہیں ہوا جاتا، وہ کبھی کبھی ان پر بھی عمل کر لیتے ہیں اور بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کر لیتے ہیں، وہ درحقیقت اسلام میں داخل نہیں ہوئے، ایمان باللہ کے لئے "کفر بالطاغوت"[۱] ضروری ہے اور

---

[۱] طاغوت ہر وہ ہستی ہے جس کی خدا کے مقابلہ میں اطاعت مطلق کی جائے (الطاغوت عبارۃ عن کل متعد وکل معبود من دون اللہ امام راغب اصفہانیؒ) خواہ وہ شیطان ہو یا سلطان یا معمولی انسان،

اللہ نے اس کو ایمان پر مقدم کیا ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۝ (بقرہ ع ۳۴)

جو سرکش کا انکار کرے، اور اللہ پر ایمان لائے، اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا۔

اس لئے قرآن نے ایسے اشخاص کا دعوائے ایمان تسلیم نہیں کیا جو غیر الٰہی قوانین، ان کے نمائندوں اور ان کے مرکزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو اپنا حکم اور ثالث بناتے ہیں۔

لہ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ (النساء ع ۹)

تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا، جو دعوے کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو آپ کی طرف اتارا گیا، اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا، چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں سرکش کی طرف، حالانکہ انکو حکم ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور لے جا ڈالے۔

لہ یہ آیت ترمذی کی روایت کے مطابق اس منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنے ایک مقدمہ میں (جس کا دوسرا فریق ایک یہودی تھا) مشہور یہودی رئیس اور عالم کعب بن الاشرف کو قاضی اور حکم بنایا تھا۔ (ترمذی، کتاب التفسیر)

اس کفر کی بو، ان اشخاص سے بھی نہیں نکلی جو مسلمانوں کے دائرے میں آجانے کے بعد بھی "جاہلیت" سے منحرف اور عقائد و رسوم جاہلیت سے بے تعلق نہ ہو سکے، ان کے دلوں سے ابھی تک ان چیزوں کی نفرت اور کراہت نہیں گئی، اور ان کاموں کی تحقیر نہیں نکلی، جن کو جاہلیت بُرا سمجھتی ہے ان سے نفرت اور ان کی تحقیر کرتی ہے خواہ وہ اللہ کے دین میں پسندیدہ اور مستحب ہوں، اور اللہ کے رسولؐ کی محبوب سنّت ہوں۔

اسی طرح ان کے دلوں سے ابھی تک ان اعمال و اخلاق، اور رسوم و عادات کی محبّت اور عزّت دُور نہیں ہوئی جو اہل جاہلیت کے نزدیک محبوب و معزّز ہیں خواہ وہ اللہ کی شریعت میں مکروہ اور حقیر ہوں۔

اسی طرح جن کے دلوں سے ابھی تک جاہلی حمیت اور عصبیت دُور نہیں ہوئی، اور ان کا عمل جاہلیت عرب (اور درحقیقت ہر جاہلیت) کے اس مقبول و مسلم اصول پر ہے، کہ "انصر أخاك ظالماً او مظلوماً" اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو، خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم۔ اس سے زیادہ نازک بات یہ ہے کہ اسلام کو اختیار کر لینے کے بعد بھی، یا مسلمان کہلانے کے باوجود بھی حسن و قبح کا معیار وہی ہو جو جاہلیت میں ہوتا ہے، اشیاء کی قیمت وہی ہو جو جاہلیت نے قائم کر دی ہے، زندگی کی انھیں قدروں اور انھیں معیاروں کی رفعت ہو جو جاہلیت تسلیم کرتی ہے۔

اسلام کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ کفر اور اس کے پورے ماحول، اس کے تمام متعلّقات، اس کی تمام خصوصیات اور شعائر سے نفرت پیدا ہو جائے اور اس کی طرف واپسی، اور اس میں مبتلا ہو جانے کے تصوّر سے آدمی کو تکلیف ہو، اور ایمان کی پختگی یہ ہے کہ وہ کفر کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کے مقابلہ میں موت کو زیادہ پسند کرتا ہو، بخاری کی حدیث ہے:

ثلاث من کنّ فیہ وجد حلاوۃ	تین باتیں جس شخص میں ہوں گی، اس کو
الایمان ان یکون اللہ ورسولہ	ایمان کی حلاوت محسوس ہو گی، ایک یہ کہ
أحب إلیہ ممّا سواھما وان یحب المرء	اللہ اور اس کا رسولؐ ان کے ماسوا سے
لا یحبہ الّا للّٰہ وان یکرہ ان یعود	زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ کسی
فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النّار	دوسرے انسان سے صرف اللہ ہی کے لئے

محبّت ہو، تیسرے یہ کہ کفر میں جانا اس کے لئے اتنا ناگوار ہو، جتنا آگ میں ڈالا جانا۔

صحابہ کرامؓ کی کیفیت یہی تھی، ان کو اپنے زمانۂ سابق (جاہلیت) سے شدید نفرت پیدا ہو گئی تھی، ان کے نزدیک "جاہلیت" سے بڑھ کر کوئی توہین نہ تھی وہ جب اپنے اسلام لانے سے پہلے کے زمانہ کا تذکرہ کرتے تو نہایت شرمندگی اور نفرت کے ساتھ اس زمانہ کی تمام باتوں، اعمال و اخلاق اور کفر و فسق اور اللہ کی نافرمانی سے ان کو نہ صرف شرعی اور عقلی بلکہ طبعی کراہت تھی، اللہ تعالیٰ اُن کی یہ صفت اس طرح بیان کرتا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ	لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی
وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ	محبّت ڈال دی اور اس کو کھپادیا تمہارے
الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ۔	دلوں میں، اور نفرت ڈال دی تمہارے
(حجرات ع ١)	دِل میں کفر اور گناہ و نافرمانی کی۔

جاہلیت کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اللہ و رسولؐ کا کوئی حکم سنایا جائے تو قدیم رسم و رواج اور باپ دادا کے طور طریق کا نام لیا جائے اور اللہ و رسولؐ کے مقابلہ میں گزشتہ زمانہ اور پُرانے دستور کی سند پیش کی جائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ	جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی پیروی
اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا	کرو، جو اللہ نے نازل کیا ہے، تو کہتے ہیں
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ	کہ ہم تو اسی راستہ کی پیروی کریں گے
لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ	جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے
(البقرہ ع ٢١)	اگرچہ انکے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ

جانتے ہوں سیدھی راہ۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى	بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو
اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ	ایک راہ پر اور ہم انہیں کے نقشِ قدم پر
(زخرف رکوع ٢)	ٹھیک چل رہے ہیں۔

اللہ کے حکم اور وحی کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کے عمل اور اپنی خواہش و

مرضی کی پیروی کرنا خاص جاہلی دین ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ (ہود۔ رکوع ۸)

انھوں نے کہا کہ اے شعیب! کیا تمھاری نماز نے تم کو یہ سکھایا ہے کہ ہم چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے یا ہم چھوڑ دیں جو ہم اپنے مالوں میں اپنی من مانی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

پس ایسے تمام لوگ جاہلیت سے نکل کر اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے جو اللہ کے مقابلہ میں ہر چیز سے دستبردار نہیں ہوئے اور جنھوں نے اپنے تئیں مکمّل طور پر اللہ کے حوالہ نہیں کیا، یہ مکمّل دستبرداری اور تسلیم کامل وہ اسلام ہے جس کا حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا، اور انھوں نے اس کو قبول کیا

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (بقرہ ع ۱۶)

جب (ابراہیمؑ سے) ان کے رب نے کہا کہ اپنے رب کے حوالہ ہو جاؤ اور اس کی مکمّل تابعداری کرو انھوں نے کہا کہ میں نے اپنے تئیں سارے جہان کے پروردگار کے حوالہ کر دیا۔

اور جس کا تمام مسلمانوں کو حکم ہے۔

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ (حج ع ۵)

تمہارا معبود حاکم ایک ہی معبود حاکم ہے پس اسی کے حوالہ ہو جاؤ اور مکمل تابعدار بن جاؤ۔

اگر یہ نہیں ہے تو گویا اللہ سے جنگ ہے، اس لئے اس مکمل اسلام کو ایک جگہ اللہ نے سِلم کہا ہے، یعنی یہ اللہ سے صلح ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی	اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ صلح و اسلام
السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا	میں پورے پورے اور شیطان کے قدموں پر
خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ	مت چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا
عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ[1] (بقرہ ع ۲۵)	دشمن ہے۔

یاد رہے کہ جاہلیت سے مُراد صرف بعثتِ نبویؐ کے قبل کی عرب کی زندگی ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ غیر اسلامی زندگی اور نظام ہے جس کا ماخذ وحی و نبوّت اور کتابِ الٰہی و سنّت انبیاء نہ ہو اور جو اسلام کے مسائل اور احکام زندگی سے مطابقت نہ رکھتا ہو، خواہ وہ عرب کی جاہلیت ہو، ایران کی مزدکیت، یا ہندوستان کی برہمنیت، یا مصر کی فرعونیت یا ترکوں کی طورانیت، یا موجودہ مغربی تمدّن، یا مسلمان قوم کی غیر شرعی زندگی، اور ان کے مخالف شریعت رسوم و عادات، اخلاق و آداب، اور میلانات و جذبات، خواہ

---

[1] مفسرین نے اس آیت کی شانِ نزول یہ بیان کی ہے کہ بعض مسلمانوں کو ایسی چیزوں کے کھانے پینے میں تامّل ہُوا جو اُن کے قدیم مذہب میں انکے لئے جائز نہ تھیں اور جن کے استعمال کے وہ عادی نہ تھے، یہ آیت اگرچہ عام اصول تفسیر کے مُطابق کچھ اسی واقعے سے مخصوص نہیں، اور نہایت پُرمعانی اور جامع آیت ہے، جو تمام احکام اسلام پر مشتمل ہے لیکن اس سے اس پہلو کی بھی وضاحت ہوتی ہے جس کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔

وہ جدید ہوں یا قدیم، ماضی ہوں یا حال۔

کفر صرف ایک سلبی چیز نہیں ہے بلکہ ایک ایجابی اور مثبت چیز بھی ہے وہ صرف دین اللہ کے انکار کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مذہبی اور اخلاقی نظام اور مستقل دین ہے جس میں اپنے فرائض و واجبات بھی ہیں اور مکروہات و محرمات بھی، اس لئے یہ دونوں دین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور ایک انسان ایک وقت میں ان دونوں کا وفادار نہیں ہو سکتا۔

انبیاء کرام کفر کی پوری بیخ کنی کرتے ہیں، وہ کفر کے ساتھ رواداری اور مصالحت کے روادار نہیں ہوتے، کفر کے پہچان لینے کا بھی ان کو بڑا ملکہ ہوتا ہے اور اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی دور رس اور باریک بیں ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس بارے میں پوری حکمت اور عزیمت عطا فرماتا ہے ان کی خداداد فراست اور بصیرت پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں، دین کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں، کہ کفر و اسلام کی جو سرحدیں انھوں نے قائم کردی ہیں اور ان کے جو نشانات مقرر کر دیئے ہیں، ان کی حفاظت کی جائے، اس میں ادنیٰ تساہل اور رواداری دین کو اتنا مسخ کر کے رکھ دیتی ہے جتنا یہودیت، عیسائیت اور ہندوستان کے مذاہب مسخ ہو گئے۔

انبیاء کے صحیح جانشین بھی اس بارے میں انہیں کی فراست و عزیمت رکھتے ہیں، وہ کفر کا ایک ایک نشان مٹاتے ہیں اور جاہلیت کا ایک ایک

داغ دھوتے ہیں، کفر کا ادراک کرنے میں ان کی حس عوام سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے، کفر جس لباس میں اور جس صورت میں ظاہر ہو وہ اس کو پہچان لیتے ہیں اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں، کہیں ہندستان جیسے ملک میں بیواؤں کے نکاح ثانی کو حرام سمجھنے اور اس سے شدید نفرت رکھنے میں ان کو کفر کی بو محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کو رواج دینے اور اس سنّت کو زندہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں، کہیں قانون شریعت پر رواج کو ترجیح دینا اور بہنوں کو میراث نہ دینے پر اصرار کرنا ان کو کفر معلوم ہوتا ہے اور وہ ایسے لوگوں کی مخالفت اور ان کا مقاطعہ فرض سمجھتے ہیں کبھی اللہ و رسولؐ کا صاف و صریح حکم سن لینے کے بعد اس کو نہ ماننا اور غیر الٰہی عدالت اور غیر الٰہی قانون کے دامن میں پناہ لینا اور غیر اسلامی احکام و قوانین نافذ کرنا ان کو اسلام سے خروج کے مرادف معلوم ہوتا ہے اور وہ مجبوری کی حالت میں وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں، کبھی کسی نومسلم کے یا ایسے مسلمانوں کے جو غیر مسلموں کی صحبت میں رہتے ہوں، اور ان سے متاثر ہوں، ایسا ذبیحہ استعمال کرنے سے احتراز کرنے میں، اور اس سے نفرت کرنے میں جس سے ان کی ہمسایہ قوم اور ابنائے وطن سختی سے مجتنب رہتے ہیں، اور ان میں اس کی نفرت یا اس سے وحشت عام ہے، ان کو ایمان کی کمزوری، اور

ان کے قدیم مذہب یا غیر مسلموں کی صحبت کا اثر نظر آتا ہے، کبھی بعض حالات و مقامات میں ایک سنّت ـــــ، جائز و مستحب کو وہ واجب اور شعائر اسلامی سمجھنے لگتے ہیں، کبھی وہ غیر مسلموں کے رسوم و عادات اور ان کی تہذیب، اور وضع و لباس اختیار کرنے اور ان سے تشبّہ پیدا کرنے کی شدّ و مد سے مخالفت کرتے ہیں، اور کبھی ان کی مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت کی ممانعت کرتے ہیں،

غرض جاہلیت کی محبّت یا اس کی اعانت جس لباس اور جس صورت میں جلوہ گر ہو، اور اس کی روح جس قالب میں بھی ظاہر ہو وہ اس کو فوراً بھانپ لیتے ہیں، ان کو اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور اس کی مخالفت کرنے میں کوئی مصلحت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی، وہ جاہلیت کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

ان کے زمانہ کے کوتاہ نظر یا رند مشرب و صلح کل جو دیر و حرم کعبہ و بت خانہ میں فرق کرنا ہی کفر سمجھتے ہیں، ان کی تضحیک کرتے ہیں، اور تحقیر کے ساتھ ان کو فقیہ شہر، محتسب، واعظ تنگ نظر، اور "خدائی فوجدار" کا لقب دیتے ہیں، لیکن وہ اپنا کام پورے اطمینان و

استقلال کے ساتھ کرتے رہتے ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ پیغمبروں کے دین کی حفاظت ہر زمانے میں انہیں لوگوں نے کی ہے اور آج اسلام یہودیت و عیسائیت اور برہمنیت سے ممتاز شکل میں جو نظر آتا ہے، وہ انہیں کی ہمت و استقامت اور تفقہ کا نتیجہ ہے۔ جزاھم اللہ عن الاسلام وولیہ ونبیہ خیرالجزاء۔ ان کو زبان حال وقال سے یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

بدعت

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول ؐ نے دین میں شامل نہیں کیا ہے اور اس کا حکم نہیں دیا، دین میں شامل کر لینا، اور اس کا ایک جزء بنا دینا اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا، اور اس کی کسی خود ساختہ یا اصطلاحی شکل اور وضع کئے ہوئے شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے، بدعت ہے۔

شرک و کفر (جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے) اگر مستقل دین ہیں تو بدعت

مستقل شریعت ہے اور شرک وکفر اگر اسلام کے مقابلہ میں خارج کی چیزیں ہیں تو بدعت دین الٰہی کے اندر شریعتِ انسانی کی تشکیل ہے جو اندر اندر نشو ونما پاتی رہتی ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات (اگر اسکو آزادی کے ساتھ نشو ونما پانے کا موقعہ دیا جائے) اصل شریعت سے دوچند وسہ چند ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ شریعتِ الٰہی کی ساری جگہ اور انسان کے سارے وقت کو گھیر لیتی ہے، اس شریعت کی فقہ الگ ہے، اس کے فرائض و واجبات، اور سنن ومستحبات مستقل ہیں اور بعض اوقات تعداد میں شریعت الٰہی کے احکام سے کہیں زیادہ۔

بدعت سب سے پہلے اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ تشریع (قانون سازی) اللہ کا حق ہے کسی چیز کو قانونی حیثیت دینا، اس کی پابندی ضروری قرار دینا، یہ منصب صرف شارع (اللہ) کا ہے، انسانی قانون سازی اسی منصب الٰہی کے خلاف بغاوت ہے، اسی لئے قانون ساز انسان کو قرآن "طاغوت" کہتا ہے۔

يُرِيدُونَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوا اِلَى	چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ ایک
الطَّاغُوتِ وَقَدْ اُمِرُوا	سرکش کے پاس لے جاکر فیصلہ کرائیں
اَنْ يَّكْفُرُوا بِهٖ ؕ (نساء ع-۹)	حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس سے اعتقاد نہ رکھیں

لیکن کسی چیز کو دین وشرع قرار دینا، اور اس کو کسی خاص شکل اور شرائط

کے ساتھ قربت خداوندی اور اجر و ثواب کا ذریعہ قرار دینا، تو اس سے بھی بڑھ کر بات ہے، یہ تو شریعت سازی ہوئی، اور قرآن کہتا ہے کہ دین و شرع قرار دینا اللہ ہی کا کام ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ (شوریٰ ع ۲)	تمہارے لئے دین کی وہی راہ مقرر کی، جس کا حضرت نوح کو حکم دیا تھا اور ہم نے آپ کی طرف حکم بھیجا۔

اہلِ عرب نے جب اپنی طرف سے تحلیل و تحریم کا کام شروع کیا، اور مستقل احکام جاری کئے تو قرآن نے اُن پر بھی جرح کی:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (شوریٰ ع ۳)	کیا اُن کے کچھ شریک ہیں جنھوں نے ان کے لئے ایسا دین بنایا جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا تھا۔

یہ اللہ کی اجازت کے بغیر دینی قانون سازی کیا تھی؛ اس کی تفصیل مُلاحظہ ہو:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ	اور انھوں نے کہا کہ یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہے، صرف وہی کھائیں گے جن کو ہم چاہیں اپنے خیال کے مطابق، اور یہ مویشی ہیں جن کی پیٹھ پر چڑھنا منع ہے

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ

(سورۃ الانعام ع ۱۶)

اور کچھ مویشی، جن کے ذبح پر اللہ کا نام نہیں لیتے، اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے اللہ ان کے اس جھوٹ کی ان کو سزا دیگا۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۤءُ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ

(سورۃ الانعام ع ۱۶)

اور انھوں نے کہا کہ ان مویشیوں کے جو کچھ پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں ہی کے کھانے کے لئے مخصوص ہے۔ اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے اور اگر مُردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں، اللہ ان کو ایسی باتیں بنانے کی سزا دیگا، وہ حکمت والا اور خبردار ہے۔

عرب کے ان شریعت سازوں کا یہ جرم جس کو قرآن "افترا" کہتا ہے کیا تھا؟ یہی کہ انھوں نے بلا کسی آسمانی سند اور وحی کے محض اپنے اتّفاق رائے اور اصطلاح سے ایک چیز کو ایک کے لئے حلال اور دوسرے کے لئے حرام کر دیا، اور اس کے لئے قواعد و احکام اور اصول و ضوابط مقرّر کیے جن کا کوئی آسمانی مآخذ نہ تھا، اور پھر ان کی ایسی پابندی کی اور دوسروں سے کرائی جیسی پیغمبروں کی شریعتوں اور احکامِ الٰہی کی ہوتی ہے، کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو سخت گنہگار سمجھا جائے اور

ملزم و مطعون ہو،

یہودیوں اور عیسائیوں کا یہی جرم قرآن نے بیان کیا ہے :

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ ع ۵) — انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کو چھوڑ کر خدا ٹھہرا لیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتم کے سامنے اس آیت کی یہی تفسیر کی کہ عیسائی علماء و مشائخ نے جس چیز کو ان کے لئے حلال یا حرام قرار دے دیا، انھوں نے بے چون و چرا اس کو مان لیا اور ان کو مستقل شارع قرار دے دیا۔

درحقیقت تحلیل و تحریم میں اور کسی چیز کو بلا دلیل شرعی فرض و واجب قرار دینے اور کسی خاص شکل، اور آداب و شرائط کے ساتھ کار ثواب اور ذریعۂ تقرّب الی اللہ قرار دینے میں کوئی اصولی فرق نہیں، دونوں "شرع مالم یأذن بہ اللہ" کے حکم میں آتے ہیں،

بدعت، دوسری جس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے، یہ ہے کہ شریعت مکمّل ہو چکی ہے، جس کا تعیّن ہونا تھا۔ اس کا تعیّن ہو گیا، ایک انسان کی نجات کے لئے جتنے اعمال ضروری ہیں، اور تقرّب الی اللہ کے لئے جتنے وسائل تھے ان سب کی وضاحت کر دی گئی، اور دین کی ٹکسال بند کر دی گئی، اب جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا، وہ جعلی ہوگا۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

(مائدہ ع ۱)

میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا، اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی۔ اور اسلام کو بطور دین کے تمہارے لئے پسند کیا۔

تکمیل نعمت کے یہ خلاف ہے کہ دین و شریعت کا ایک بڑا حصہ مشتبہ اور غیر متعین چھوڑ دیا جائے۔ اور صدیوں تک مسلمان اس کے دریافت سے غافل اور اس کے ثواب سے محروم رہیں خصوصاً خیر القرون کے وہ لوگ جو "اتممت علیکم نعمتی" کے مخاطب اوّل تھے۔ اور پھر صدیوں کے بعد اس کا انکشاف اور تعیّن ہو۔

اس شریعت میں جو شخص بھی کوئی نیا اضافہ کرتا ہے اور کسی خارج از دین' بات کو' دین کا جزء قرار دیتا ہے، کسی ایسی چیز کا اہتمام کرتا ہے جس کا اللہ کے رسول ؐ نے اہتمام نہیں کیا یا تقرّب الی اللہ کے کسی نئے ذریعہ کا انکشاف کرتا ہے وہ گویا زبانِ حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ دین میں یہ کمی رہ گئی تھی اس کو اب پورا کیا جا رہا ہے، اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغِ رسالت پر بڑا الزام ہے جن کو حکم تھا کہ:

یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ

اے پیغمبر پہنچا دو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا، اور اگر ایسا

تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ	نہ کیا تو تم نے اس کا پیغام نہیں
(مائدہ، رکوع ۱۰)	پہنچایا۔

امام مالکؒ نے کیا خوب فرمایا:

من ابتدع فی الاسلام	جس نے اسلام میں کوئی بدعت
بدعة یراھا حسنة فقد	پیدا کی اور اس کو وہ اچھا سمجھتا ہے
زعم ان محمدًا صلی اللّٰہ علیہ	وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ محمدؐ
وآلہٖ وسلم خان الرسالة	صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے (نعوذ باللّٰہ)
فان اللّٰہ سبحانہ یقول "اَلْیَوْمَ	پیغام پہنچانے میں خیانت کی، اسلئے
اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" فمالم	کہ اللّٰہ فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے
یکن یومئذٍ دینًا فلا یکون	لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ پس جو بات
الیوم دینًا۔	عہدِ رسالت میں دین نہیں تھی وہ آج

بھی دین نہیں ہو سکتی۔

شریعت منزّل من اللّٰہ کی ایک خصوصیت، اس کی سہولت اور اس کا ہر ایک کے لئے ہر زمانہ میں قابلِ عمل ہونا ہے، اللّٰہ تعالیٰ حکیم اور خبیر ہے اس کو انسانوں کی فطری کمزوری، ان کے مصالح اور ان کے مختلف و متفاد حالات کا پورا علم ہے، اس کے ساتھ وہ رؤف ورحیم (بے حد مہربان و مشفق) بھی ہے، اس علم محیط اور شفقت بے پایاں کی بنا پر اس نے

اِنسانوں کے لئے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ نہایت آسان شریعت نازل کی، احکامِ شریعت میں ان کی کمزوریوں، مشکلات اور کوتاہیوں کا پورا لحاظ رکھا، اور ان کی قوّت، دقّت اور وسعت اور زمان و مکان کا پورا لحاظ فرماتے ہوئے اُن کے لئے ایک عالمگیر اور ابدی قانون مکمل فرمایا، اس کا ارشاد ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (سورہ بقرہ ع ۴۰)	اللہ کسی کو اس کی گنجائش سے بڑھ کر مکلّف نہیں کرتا
يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (نساء رکوع ۵)	اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے بار کو ہلکا کرے، اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ ع ۲۳)	اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے، تم پر دشواری نہیں چاہتا ہے۔
وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج ع ۱۰)	تم پر اللہ نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے متعلق فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ	تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہاری تکلیف

عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ — شاق ہے، تمہاری اس کو بڑی فکر ہے

رَّحِیْمٌ ۝ (توبہ ع ۱۶) — ایمان والوں پر نہایت شفیق و مہربان ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی شریعت کے متعلق فرمایا:

بعثت بالحنیفیة السمحة — مجھے نہایت سیدھے سادے آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا۔

انّ هٰذا الدّین یُسر — بے شک یہ دین آسان ہے۔

اُمّت کی مشقّت کا آپ کو اتنا خیال تھا کہ فرمایا:

لو لا أن اشق علی امّتی — اگر مجھے اپنی امّت کی تکلیف کا خیال

لامرتھم بالسواك عند — نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک

کلّ صلوٰة — کرنا فرض قرار دیتا۔

لیکن دین کی یہ سہولت اور خدا کی طرف سے اس بات کی ضمانت اسی وقت تک ہے، جب تک کہ اللہ شارع ہے اور شریعت اسی کی ہے لیکن جب انسان شارع بن جائے اور وہ شریعت الٰہی میں مُداخلت اور اضافہ شروع کردے تو پھر دین کی سہولت باقی نہیں رہ سکتی، نہ انسان کا علم محیط ہے، نہ وہ مختلف انسانوں کی ضروریات، مصالح اور زمان و مکان کے اختلاف کا لحاظ رکھ سکتا ہے نہ اس کو اپنے بنی نوع پر وہ شفقت ہوسکتی ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ جو دین خالص ہونے کی صورت میں ہر ایک کے لئے قابلِ عمل اور بالکل سہل ہوتا ہے وہ ان بدعات کی آمیزشوں اور وقتاً فوقتاً اضافوں کے بعد اس قدر دشوار، پیچدار اور طویل ہو جاتا ہے کہ اس پر پورے طور پر عمل کرنا، رفتہ رفتہ ناممکن ہوتا چلا جاتا ہے، لوگوں کو گریز، اور حیلہ جوئیوں کی عادت پڑ جاتی ہے اور بہت سے لوگ ایسے مذہب کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں، مذاہب کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ترکِ مذہب کی بکثرت نوبت اور الحاد ولامذہبیت کا آغاز عموماً انہیں لامتناہی بدعات کے بعد ہوا، جن کی پابندی ایک متوسّط درجہ کے انسان کے لئے تقریباً ناممکن ہوگئی تھی اور آدمی ان کا پابند رہ کر کسی اور کام کا نہیں رہ سکتا تھا، قرونِ وسطیٰ میں بھی علم و عقل کی بغاوت کلیسا کے اسی مذہبی نظام کے خلاف تھی جس سے اصل مسیحی مذہب کو $\frac{1}{10}$ کی نسبت بھی نہ تھی۔

یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ الٰہی دین و شریعت کی ایک خصوصیت ان کی عالمگیر یکسانی ہے، یہ یکسانی زمانوں کے لحاظ سے ہے اور مکانوں کے لحاظ سے بھی۔ اللہ چونکہ رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ ہے، وہ زمان و مکان کے حدود وقیود سے بالاتر ہے، اس لئے اس کی شریعت میں کامل یکسانی پائی جاتی ہے، اس کی آخری شریعت جس کی تکمیل آخری پیغمبر

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہو چکی ہے، آفتاب کی طرح سب کے لئے ایک اور زمین و آسمان کی طرح سب کے لئے یکساں ہے، اس کی شکل جو قرنِ اوّل میں تھی وہی شکل پندرھویں صدی ہجری میں بھی ہے، وہ جیسی اور جتنی مشرق والوں کے لئے ہے، ویسی ہی اور اتنی ہی مغرب والوں کے لئے بھی، جو قواعد و احکام. عبادت کے جو اشکال اور تقرب الی اللہ کی جو متعین شکلیں اہلِ عرب کے لئے تھیں وہی اہلِ ہندوستان کے لئے بھی، اسی لئے اگر دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ، دنیا کے کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو فرائضِ اسلام کے ادا کرنے میں اور مسجد میں عبادت کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی، نہ اس کے لئے کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبری کی ضرورت ہوگی، اس کو دینی حیثیت سے کوئی اجنبیت اور مسافرت محسوس نہیں ہوگی. علاوہ مقتدی ہونے کے وہ اگر صاحبِ علم ہے تو ہر جگہ امام بن سکتا ہے، اور ہر جگہ فتوے دے سکتا ہے۔

لیکن بدعت کا یہ خاصہ نہیں، ان میں یکسانی اور وحدت نہیں ہوتی، ان میں زمان و مکان کا پرتو ہوتا ہے، وہ ہر جگہ کے مقامی سانچہ اور ملکی یا شہری ٹکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں اور خاص تاریخی و مقامی اسباب اور ماحول میں بنتی ہیں، ان کو تمام عالم اسلامی میں

رواج نہیں دیا جا سکتا، نہ دُنیا کے تمام مسلمانوں کو ان کا علم ہونا ضروری ہے، علم ہونے کے بعد یہ ضروری نہیں کہ وہ سب ان کو قبول کرلیں، اسلئے ہندوستان کی بدعات مصر کی بدعات سے مختلف ہیں اور ایران وشام کی بدعات میں کوئی اشتراک نہیں، ملکوں سے گزر کر بعض اوقات شہر شہر کی بدعات مختلف ہوتی ہیں، ایک شہر کے مسلمانوں کو دوسرے شہر کی مخصوص بدعات کا علم نہیں ہوتا، یہ بات بڑھتے بڑھتے محلّوں اور گھروں تک پہنچ سکتی ہے اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے تمام دوسری شریعتوں اور مذاہب کا عبرتناک انجام تھا، یہودیت اور عیسائیت مسخ شدہ اور محرّف شکل میں موجود تھیں، اس لئے آپ نے شریعتِ اسلامی کو اپنی حقیقی شکل اور اصلی مقدار میں رکھنے کی پوری کوشش فرمائی، اور اس کے لئے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کیں، آپ نے اپنے جانشینوں کو بدعت سے بچنے، اور سنّت کی حفاظت کی بڑی تاکید سے تلقین کی، آپ نے فرمایا:

من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد۔

جو ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں داخل نہیں تھی تو وہ بات مسترد ہے۔

ایاکم والبدعة فان کل

بدعت سے ہمیشہ بچو، اس لئے کہ ہر بدعت

بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار[1] — گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہوگی۔

اور یہ حکیمانہ پیشگوئی بھی فرمائی:۔

ما احدث قوم بدعة الا رفع بھا مثلھا من سنة[1] — جب کچھ لوگ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرتے ہیں تو اسکے بقدر کوئی سنّت اُٹھ جاتی ہے۔

آپ کے براہ راست جانشین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس وصیت کی پوری تعمیل کی، اور بدعات کے بارے میں کسی قسم کی رواداری اور کمزوری روا نہیں رکھی، ان کے انکار بدعات کے واقعات ملاحظہ ہوں، اگر کوئی شخص بدعات کے حقیقی مفاسد، اور محافظت شریعت کی حکمت و اسرار سے واقف نہ ہو، تو ان کو تشدد اور غلو پر محمول کرے گا، لیکن اگر کوئی شخص مذاہب کی تاریخ سے واقف ہے تو وہ ان حضرات کی تفقہ اور حکمت دین کی داد دے گا، کہ اگر دوسری ہی نسل میں مذہب کی شکل کی حفاظت نہ کی جاتی تو وہ باقی نہیں رہ سکتا تھا۔

---

[1] اس فرمان نبوی کی اگر شرح دیکھنا ہو، تو "مکتوبات امام ربّانی" (مکتوب ۸۶ بنام خواجہ عبدالرحمن ص ۱۸۶-۱۸۷ (احمدی) ص ۲۵۵ مجلد طاہر لاہوری میں ملاحظہ ہو، یا ان لوگوں کی عملی زندگی میں جو بدعات میں مبتلا ہیں۔

صحابۂ کرامؓ کے بعد ائمہ و فقہائے اسلام نے اعلیٰ درجہ کے فہم دین اور ایسی عزیمت و استقامت کا ثبوت دیا جو انبیاء کرام کے جانشینوں کے شایان شان ہے، انھوں نے ہمیشہ اپنے زمانہ کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی، مبتدعین کا علمی و عملی مقاطعہ کیا، اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول اور ان کے علمبرداروں کو وقیع اور باوقار بننے سے روکنے کی کوشش کی اور ان کو اہلِ علم کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے گرا دیا۔

بالخصوص فقہائے حنفیہ نے جو شدید احتساب کیا اور جس باریک بینی اور نکتہ فہمی کے ساتھ اپنے زمانہ کے بعض بظاہر معمولی مبتدعانہ اعمال و رسوم کی مخالفت کی اور شریعت کی حفاظت، اور سنّت و بدعات کے امتیاز کے لئے جو حکیمانہ انتظامات اور فقہی احتیاطیں کیں، وہ ان کی اصولِ دین سے گہری واقفیت اور ان کے تفقہ کی بہترین مثالیں ہیں۔

جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ بدعات عوام اور خوش عقیدہ شائقینِ دین کے لئے کیسی مقناطیسی کشش رکھتی ہے اور کس سُرعت کے ساتھ رواج و مقبولیت حاصل کر لیتی ہیں، وہ ان علمائے اسلام کی ہمت و دلیری اور کامیابی کی داد دیں گے، جن کی کوششوں اور اظہارِ حق سے بعض بعض بدعات کا بالکل سدِّ باب ہو گیا اور اب ان کا فقہ کی بعض کتابوں یا تمدّن کی بعض

تاریخوں میں ذکر آتا ہے، بعض بدعات جو باقی رہ گئیں، ان کا بدعت ہونا بھی مشتبہ نہیں رہا اور ایک جماعت ہمیشہ ان کی مخالفت کرتی رہی، اور اب بھی کرتی ہے۔

ان مخالفین بدعت اور حاملینِ لوائے سنّت کو اپنے زمانہ کے عوام یا خواص کالعوام سے اس طرح جامد اور روایت پرست وغیرہ کے خطابات ملے جس طرح ہر زمانہ کے مذاق عام اور رواج عام کے خلاف کہنے والوں اور کرنے والوں کو ملا کرتے ہیں: "مایقال لک الّا ماقد قیل للرسل من قبلک"

غفلت

دین الٰہی سے انحراف کا ایک عام سبب غفلت ہے، اللہ سے بے تعلقی اور اس کے احکام وفرائض کی طرف سے بے توجہی کا سبب ہمیشہ بغاوت وکفر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات دُنیا پرستی اور مادیت ہوتی ہے، عزّت وجاہ کا سودا، دولت کا عشق اور معاش میں سرتاپا انہماک آدمی کو معاد سے بالکل غافل کر دیتا ہے، مادیت کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ سرے سے نجات کا خیال، رضائے الٰہی کے حصول کا شوق اور اس کے عذاب کا خوف دل سے بالکل نکل جاتا ہے، اور کھانے پینے اور پہننے کے سوا دنیا میں کوئی فکر باقی نہیں رہتی۔ خدا سے غافل لوگوں کی صحبت

اورگناہوں اورعیش میں انہماک دل کو ایسا مُردہ کر دیتا ہے کہ دینی اور اخلاقی حس باطل ہوجاتی ہے، نیک و بد اور حلال وحرام کی تمیز جاتی رہتی ہے، ایسے غافل اپنے اخلاق و اعمال، سیرت و کردار، معاشرت و آداب اور وضع وصورت میں کافروں، اور اللہ کے باغیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہتے، شراب کے بے تکلّف دور چلتے ہیں، منہیات و محرمات کا آزادی سے ارتکاب کیا جاتا ہے، جرائم اور فسق وفجور میں نئی نئی ایجادات کی جاتی ہے اور ان میں ایسی ذہانت اور ہنرمندی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ پُرانی اُمتیں ان کے سامنے مات ہوجاتی ہیں، شرع ودین کی کوئی حرمت باقی نہیں رہتی، ایسی خدا فراموشی اور خود فراموشی طاری ہوجاتی ہے کہ بھول کر بھی خدا یاد نہیں آتا اور اپنا بھی حقیقی ہوش نہیں رہتا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ (حشر ع ۳)

اُن لوگوں کی طرح نہ ہو، جنھوں نے اللہ کو بھلادیا، اللہ نے ان کو خود فراموش بنادیا۔

یہی وہ لوگ ہیں جن کا حال اللہ نے اس آیت میں بیان کیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۝ (یونس ع ۱)

بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کی اُمید نہیں رکھتے اور دُنیا کی زندگی پر مگن اور مطمئن ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔

نتیجۃً وعملاً ایسے غفلت شعار اور آخرت فراموش، منکرینِ آخرت اور اللہ و رسولؐ سے بغاوت کرنے والوں سے ممتاز نہیں ہوتے، پیغمبروں کی دعوت کے لئے ان کا وجود بھی اسی قدر بے سود اور بعض اوقات سنگِ راہ ہوتا ہے جس طرح مکذّبین و منکرین کا، اور بعض اوقات یہ مدّعیانِ اسلام اسلام کے خلاف حجّت اور تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں، پھر اس سے زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہوتی ہے، کہ یہ غافلین یا منافقین اپنی کثرت یا دُنیاوی لیاقت یا کوششوں یا محض وراثت سے مسلمانوں کی مسندِ حکومت پر قابض ہوجاتے ہیں اور مسلمانوں کی امامت ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے یا مسلمانوں کی زندگی میں اتنا رسوخ اور اثر پیدا کرلیتے ہیں، کہ ان کے اخلاق و اعمال عوام کے لئے نمونہ بن جاتے ہیں اور ان کی عظمت اور وقعت دل و دماغ میں جاگزیں ہوجاتی ہے، اس وقت ان "اکابرین مجرمین" کی وجہ سے غفلت و خدا فراموشی اور غیر اسلامی زندگی کا ایسا دور دورہ ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کی عملداری میں جاہلیت کی حکومت قائم ہوجاتی ہے اور بعض اوقات اس طرز زندگی کو کچھ زیادہ مدّت گزر جاتی ہے، تو اسی کا نام اسلامی تہذیب و تمدّن پڑ جاتا ہے، جس کی مخالفت غیر اسلامی تمدّن سے زیادہ مشکل ہوتی ہے۔

ان تمام حالات میں پیغمبروں کے جانشینوں کو کام کرنا پڑتا ہے، شاید

اِنسانوں کی کوئی جماعت اتنی مشغول، اور فرائض و ذمہ داریوں سے اتنی گراں بار نہیں، جتنی نائبان رسولؐ اور علماء و مصلحین اسلام کی جماعت ہے، جسمانی امراض کے طبیبوں کو بھی کبھی آرام اور فرصت کا موقع میسّر آجاتا ہوگا لیکن ان اطبّاء رُوح کے لئے کوئی موسم اعتدال و صحت کا نہیں، بہت سی جماعتیں ایسی ہیں کہ جب اُن کی اپنی حکومت قائم ہوجاتی ہے تو انکی جدّوجہد ختم ہوجاتی ہے اور ان کا مقصود حاصل ہوجاتا ہے لیکن علماء حق اور "قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ" (اللہ کی طرف سے منتظم اور انصاف کے گواہ) کی جماعت کا کام بعض مرتبہ مسلمانوں کی حکومت میں ختم ہونے کے بجائے کچھ بڑھ ہی جاتا ہے۔ کچھ چیزیں ہیں جو حکومت و طاقت اور دولت و فراغت ہی کے زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں، اور علماء اسلام ہی کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی نگرانی کریں، وہ اپنے فریضۂ احتساب، نگرانی، اخلاق اور دینی رہنمائی کے منصب سے سبکدوش نہیں ہوتے، اس وقت بھی ان کا جہاد، اور ان کی جدّوجہد جاری رہتی ہے، کہیں مسلمانوں کی مسرفانہ زندگی پر زدک ٹوک کر رہے ہیں، کہیں سامانِ عیش و غفلت پر ان کی طرف سے قدغن ہے کہیں چوری کی شراب کو گرفتار کیا ہے اور اس کو اُنڈیل رہے ہیں، کہیں باجوں اور موسیقی کے آلات کو توڑ رہے ہیں کہیں مردوں کیلئے ریشم کے لباس اور سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر

چین بجبیں ہیں، کہیں بے حجابی اور مردوں وعورتوں کے آزادانہ اختلاط پر معترض ہیں. کہیں حماموں کی بے قاعدگیوں اور بد اخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں، کہیں اپنے زمانہ کے خلافِ اخلاق اور خلافِ شرع باتوں اور عادتوں کے خلاف وعظ کہہ رہے ہیں. کہیں غیر مسلموں اور عجمیوں کے عادات وخصوصیات اختیار کرنے پر اُن کی طرف سے مخالفت ہے کبھی مسجدوں کے صحن اور مدرسوں کے ایوانوں میں حدیث کا درس دے رہے ہیں اور "قَالَ اللہ اور قَالَ الرَّسُوْلُ" کی صدا بلند کر رہے ہیں کبھی خانقاہوں میں یا اپنے گھروں اور مسجدوں میں بیٹھے ہوئے دِلوں کا زنگ دُور کر رہے ہیں، اللہ کی محبت وطاعت کا شوق پیدا کر رہے ہیں، امراضِ قلب حسد، تکبر، حرصِ دُنیا اور دوسری نفسانی اور روحانی امراض کا علاج کر رہے ہیں، کبھی منبر پر کھڑے ہوئے جہاد کا شوق دلا رہے ہیں اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت یا اسلامی فتوحات کے لئے آمادہ کر رہے ہیں، پوری اسلامی تاریخ میں آپ کو زندہ اور ربّانی علماء جو حکومت وقت کے دامن سے وابستہ نہیں تھے یا حقیر جھگڑوں میں مشغول نہیں تھے، انہیں مشاغل میں منہمک نظر آئیں گے اور مسلمانوں کا کوئی دورِ حکومت ان علمائے حق اور ان کی جدوجہد سے خالی نہیں رہا۔

بنی اُمیہ کا دَور مسلمانوں کا شاہانہ عہد ہے، بظاہر مسلمانوں کو

تمام کاموں سے فرصت ہوگئی ہے، مگر علماء کو فرصت نہیں، حضرت حسن بصریؒ کی مجلس وعظ گرم ہے، جس میں اپنے زمانہ کے منکرات و بدعات کے خلاف تقریر ہو رہی ہے، اپنے زمانہ کی معاشرت، نظام اور اہلِ حکومت کی بے دینی پر تنقید ہے، نفاق کی علامات، اور منافقین کے اوصاف وسیع پیرایہ میں بیان ہو رہے ہیں اور موجودہ زندگی پر ان کو منطبق کیا جا رہا ہے خشیتِ الٰہی اور آخرت کا بیان ہے، جس سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئی ہیں اور روتے روتے حاضرین کی ہچکیاں بندھ گئی ہیں، سورۂ فرقان کے آخری رکوع "وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا" کی تفسیر ہو رہی ہے[۱]، اور صحابہ کرامؓ کے چشم دید حالات اور واقعات اس طرح بیان کئے جا رہے ہیں کہ اس مبارک دور کی تصویر کھنچ گئی ہے، اور صحابہؓ چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں، لوگ مجلس سے توبہ کر کے اٹھتے ہیں — اور سیکڑوں آدمیوں کی اصلاح حال ہو رہی ہے۔

بنی عباس کا دور ہے اور امام احمد بن حنبلؒ شاہ وقت کے ذوق و رجحان اور مسلک کے خلاف مذہب اعتزال کی صاف صاف تردید کر رہے ہیں، اور بدعات کا رد، اور سنّت کا اعلان کرتے ہیں۔

---

[۱] کتاب قیام اللیل محمد بن نصر مروزی، ۱۲

علمِ کلام اور فلسفہ کے بڑھتے ہوئے رجحان کے مقابلہ میں، خالص سنّت اور عقائدِ سلف کی تبلیغ فرمارہے ہیں، اور یہ سب اس جرأت و اطمینان کے ساتھ کہ گویا مامونؔ و معتصمؔ کی حکومت نہیں ہے بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت ہے۔

بغداد، اپنے اوج پر، اور بغداد کی تہذیب، دولت اور بے فکری اور آزادی عروج پر ہے، ہر طرف عیش و غفلت کا سمندر رواں ہے کرخ و رصافہ کے میدانوں میں اور مسجدوں کے سامنے میلے لگے ہوئے ہیں، بازاروں میں بڑی چہل پہل ہے، لیکن سیکڑوں آدمی، ان تمام دلچسپیوں اور تفریحات سے آنکھ بند کئے، ایک طرف چلے جارہے ہیں، آج جمعہ کا دن ہے، محدّث ابن جوزیؒ کا وعظ ہے، وعظ ہورہا ہے، سیکڑوں آدمی تائب، اور بیسیوں غیر مسلم مسلمان ہورہے ہیں، لوگ خلافِ شرع امور سے توبہ کررہے ہیں؛

ایک طرف اسی پُرشور اور ہنگامہ زدہ بغداد میں نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس، وعظ اور روحانی فیض جاری ہے، جس سے عرب و عجم کے لوگ فائدہ اٹھارہے ہیں، بڑے بڑے اُمراء اور شہزادے اپنے عیش و دولت کو خیرباد کہہ کر زہد و فقر کی زندگی اختیار کرتے ہیں، بڑے بڑے

سرکش اور نشۂ دولت میں مخمور تائب ہوتے ہیں، خلافتِ عباسی کے عین دار الخلافہ میں، اور خلیفہ بغداد کی حکومت کے بالکل مقابل اس درویش کی رُوحانی اور دینی حکومت قائم ہے، جس کا سکہ عرب وعجم پر رَواں ہے۔

بعد کے تمام عہدوں میں، اور حکومت اسلامی کے تمام اطراف واکناف میں، سلاطین وامراء کے بالمقابل اور تمام دوسری دلچسپیوں دعوتوں اور تحریکوں اور مشاغل کے ساتھ علمائے حق کی یہ کوششیں اور ان کے مرکز، مساجد، مدارس، خانقاہیں، مجالسِ وعظ باضابطہ اور بے ضابطہ احتساب جاری رہا۔[1]

علمائے حق کا یہی بدقسمت یا خوش قسمت گروہ ہے جس کو مسلمان بادشاہوں اور ان کے کارکنانِ حکومت کے ہاتھوں (جبکہ دوسروں کو سیم وزر کی تھیلیاں اور عہدوں کے پروانے ملتے تھے) دار و رسن اور تازیانے کے انعامات ملے، اسی گروہ کے کتنے افراد کو، ایک مسلمان حاکم (حجاج) کے ہاتھوں شہادت کا سُرخ خلعت ملا، پھر اسی گروہ کے ایک مقتدر فرد (حضرت امام ابوحنیفہؒ

[1] ہندوستان کے لئے اس کی تفصیل سب سے زیادہ والد صاحب مرحوم مولانا سیّد عبدالحیؒ کی عظیم الشان عربی تصنیف "نزھۃ الخواطر" کی آٹھ جلدوں میں ملے گی۔ جو ہندوستان کے مسلمان، مشاہیر واعیان اور علماء کی سب سے بڑی تاریخ ہے۔

کو امیر المؤمنین منصور عباسی کے ہاتھوں زہر کا جام نوش کرنا پڑا پھر اسی گروہ کے دوسرے امام (حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کو سب سے بڑے روشن خیال مسلمان بادشاہ (مامون) کے زمانہ میں، پا بہ جولاں اور اسیرِ زنداں ہونا پڑا، اور اس کے جانشین (معتصم) کے ہاتھوں تازیانے کھانے پڑے،

آخر زمانہ میں بھی کیسے کیسے عادل و دادگر مسلمان فرمانرواؤں کے ہاتھوں کیسے کیسے جلیل القدر علماء پر بیداد ہوئی، جہانگیر کی زنجیرِ عدل مشہور ہے، مگر حضرت شیخ احمد سرہندی مجدّد الف ثانی کے پاؤں میں بھی زنجیر پڑی، اور ان کو اپنے اظہارِ حق کے صلہ میں گوالیار کے قلعہ میں محبوس ہونا پڑا۔

ان کارناموں اور خدمات کے علاوہ (جو حاملین دین اور محافظینِ شریعت کے فرائض منصبی ہیں) جن کو ہم اس حیثیت سے دفاعی کہہ سکتے ہیں، کہ وہ شرک وکفر، بدعت اور غفلت کے مقابلہ میں اسلام کی حفاظت کی کوششیں ہیں، مگر یہ درحقیقت اسلام کی مستقل دعوت و تبلیغ، اور دین کی مسلسل جدّوجہد ہے، جو قیامت تک جاری رہے گی،

لَا یَزَالُ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ — میری امّت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر

ظَاهِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ لَا یَضُرُّھُمْ مَن خذلھم (او کما قال ﷺ) — اعلانیہ قائم رہے گا، کسی کے مدد نہ کرنے سے اس کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا۔

اَلْجِھَادُ مَاضٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ — جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

لیکن ان کے علاوہ دو اور خدمتیں ہیں، جو ہر زمانہ کے علماء کے ذمّہ ہیں، اور علماءِ ربّانی ان کو انجام دیتے رہے ہیں۔

۱ اسلامی فتوحات سے کمتر اور مبلغین، صلحاء، وصوفیہ اور بعض مسلمانوں کے اخلاق اور محبّت کے اثر سے بیشتر مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں لاکھوں آدمیوں نے اسلام قبول کیا، اور پوری پوری برادریاں اور بڑے بڑے خاندان اسلام میں داخل ہو گئے، لیکن ان کی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ کیا جا سکا، اور ان پر اسلام کی تعلیمات کا کوئی اثر نہ پڑ سکا، یا اگر ان پر کوئی اثر پڑا تو ان کے بعد کی نسلوں میں یہ اثر باقی نہ رہ سکا، اور رفتہ رفتہ اس کے سوا ان کو کچھ یاد نہ رہا کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے اور انھوں نے کسی زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا اور سوائے اسلامی نام اور کلمۂ طیبّہ کے الفاظ کے ان کے پاس اسلام کا کوئی نشان باقی نہ رہا، کچھ دلوں کی، اور بے توجہی کے بعد اسلامی نام بھی باقی نہ رہے اور کلمۂ طیبّہ بھی

سیکڑوں میں سے چند کے سوا کسی کو یاد نہ رہا، مگر اپنے مسلمان ہونے کا اعتراف باقی رہا، پھر وہ بھی مٹنے لگا اور اس وقت باقاعدہ ان کا ارتداد عمل میں آنے لگا،

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں خاص حلقہ کے باہر اسلام کی بنیاد ہمیشہ کمزور رہی، اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، تقریبًا ہر بڑے شہر سے کچھ فاصلہ پر اور ہندوستان کے تمام اطراف میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی مسلمان قومیں اور برادریاں موجود ہیں، جن کو اسلام سے کچھ تعلّق باقی نہیں رہا، دیہاتوں کی بڑی مسلمان آبادی ایسی ہے جو نئے سرے سے تبلیغِ اسلام کی محتاج ہے، ان میں سے بکثرت ایسے "مسلمان" ہیں، جو ہنوز عہد جاہلیت میں ہیں، اور انکو بعثت نبویؐ کی خبر بھی نہیں، وہ اسلام سے اتنے بے خبر ہیں، جتنے دیہاتوں کے غیر مسلم فرائض و احکامِ اسلام کا ذکر چھوڑ کر بعض بڑے شہروں کے اطراف ولواح میں ایسے مسلمان ملتے ہیں، جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نام نامی سے بھی واقف نہیں،

بعض علمائے ربّانی نے اپنے زمانہ میں، ان علاقوں اور دیہاتی رقبوں کی طرف توجّہ کی اور بعض مسلمان قوموں اور برادریوں کو ازسرِنو مسلمان بنایا، ان میں تبلیغی دورے کئے، وعظ ونصیحت، اختلاط

آمدورفت اور اپنے اخلاق وتالیف قلب سے ان کے دل مٹھی میں لئے، ان کو مرید کر کے ان کو توحید اور اتّباعِ سنّت کے راستہ پر لگایا، شرک وبدعت سے تائب کیا، جاہلانہ رسمیں، غیر مسلموں کی وضع وصورت، اور کفر وجاہلیت کے شعار چھڑائے، ان میں اخلاق و اِنسانیت پیدا کی، پابند فرائض اور خوش اوقات بنایا، علم کا شوق دلایا، اور تعلیم کو رائج کیا، اور ان میں سے لائق افراد کو چھانٹ کر اور اپنے پاس رکھ کر ان کی تربیت وتعلیم کی، پھر ان سے اپنی قوم اور دوسری جماعتوں کی تبلیغ واصلاح کا کام لیا، یہ تبلیغی کام، جو انبیاء علیہم الصَّلٰوۃ وَالسَّلام کے طریقِ کار سے، سب سے زیادہ ظاہری مشابہت رکھتے ہیں، ان کے دوسرے کارناموں کے مقابلہ میں کسی طرح کم اہم نہیں۔

۲ قرآن وحدیث اسلام کی طاقت کا اصلی سرچشمہ ہیں جن سے ہمیشہ طاقت اور روشنی حاصل کی جاسکتی ہے اور جن کے ذریعہ سے ہر زمانہ میں مسلمانوں کے کمزور سے کمزور ڈھانچہ میں رُوح پھونکی جاسکتی ہے، شرک وکفر وبدعت وغفلت کے خلاف سب سے کارگر حربہ قرآن وحدیث کا علم اور ان کی اشاعت ہے، ان کا صحیح علم

اوران کی روشنی جس قدر پھیلتی جائے گی، کفر و جہالت کی تاریکیاں دُور ہوتی جائیں گی اس لئے ہزار تبلیغوں کی ایک تبلیغ ان کی نشر و اشاعت ہے۔

انبیاء کرام کی بڑی خصوصیت ان کی ہم آہنگی اور یک آہنگی ہے یعنی وہ سب ایک بات کہتے ہیں، اور ایک ہی بات کہتے رہتے ہیں، وہ کیا؟

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهٍ غَيْرُهُ (ہود ع ۸) اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو تمہارا معبود، اس کے سوا کوئی نہیں۔

ان کے جانشینوں کی بھی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کی تمام کوششوں اور ان کی زندگی کے متنوع مشاغل کا ہدف بھی ایک ہوتا ہے وہ "دعوت الی اللہ" ہے درس و تدریس، وعظ و تقریر، تبلیغ و تذکیر تصنیف و تالیف، سلوک و تصوف، بیعت و ارشاد، سب سے غرض خلق خدا کو اللہ کی طرف بلانا، اللہ سے ملانا، اور اللہ ہی کا بنانا ہوتا ہے، ان کے مشاغل متنوع، اور مختلف ہو سکتے ہیں، مگر سب کا مرکز اور مقصد ایک ہوتا ہے، وہ سب کچھ کہتے ہیں مگر در حقیقت ایک ہی بات کہتے ہیں، اور بار بار کہتے ہیں، ؎

فطرت کا سرود ازلی اسکے شب و روز آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمان

حضرت نوحؑ کی طرح وہ بھی ان مشاغل، اور مختلف طریق تبلیغ کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں :

رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا (نوح ع ۱)	اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن۔
ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا (نوح ع ۱)	پھر میں نے ان کو بلایا برملا۔
ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا	پھر میں نے ان کو کھول کر اور چھپ کر کہا، چپکے سے۔ (نوح ع ۱)

یہ وعظ، یہ درس، اور یہ انفرادی و اجتماعی کوششیں، یہ ظاہر و مخفی تدبیریں، یہ تذکیر و تزکیہ اور یہ توجہات اور انفاس قدسیہ اعلان و اسرار ہی کی شکلیں ہیں ؛